عہد سلاطین دہلی میں نظامِ قضا

محفوظ احمد ۞

انسانی تاریخ میں نظامِ قضا اتنا ہی قدیم ہے جتنی انسانیت کی تاریخ؛ قابیل اور ہابیل کے درمیان تاریخ انسانیت کا پہلا تنازعہ وقوع پذیر ہوا جس کا فیصلہ حضرت آدم علیہ السلام نے وحی الٰہی کے مطابق کیا۔ اس کے بعد ہر دور میں قضا کی ضرورت واہمیت مسلمہ رہی، نیز یہ بھی ضروری سمجھا گیا کہ نظامِ قضا کی بنیاد عدل پر استوار ہو۔

اسلام نے بھی نظام قضا کی اس اہمیت کو برقرار رکھا، قرآن وحدیث میں اس نظام کے بنیادی قواعد وضوابط وضع کیے اور نظام قضا کی اقامت کو فرائض خلافت میں سے ایک فرض قرار دیا چناں چہ حضرت داوٗد علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يَٰدَاوُۥدُ إِنَّا جَعَلۡنَٰكَ خَلِيفَةً فِي ٱلۡأَرۡضِ فَٱحۡكُم بَيۡنَ ٱلنَّاسِ بِٱلۡحَقِّ ﴾[1] (اے داوٗد بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا پس آپ لوگوں کے درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ کیجیے۔) امتِ مسلمہ کو قیام عدل کا اس طرح حکم دیا گیا: ﴿ وَإِذَا حَكَمۡتُم بَيۡنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحۡكُمُواْ بِٱلۡعَدۡلِ ﴾[2] (اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل کی اہمیت کے بارے فرمایا: إن أحب الناس إلى الله يوم القيمة وأدناهم مجلسا، إمام عادل.[3] (بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب اور مجلس میں زیادہ قریب عدل کرنے والا امام ہو گا۔)

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جب کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا تو آپ نے ان کی طرف تحریر کردہ مکتوب میں قضا کی اہمیت اس طرح بیان فرمائی: فان القضاء فريضة محكمة و

۞ ایسوسی ایٹ پروفیسر، اسلامک اسٹڈیز، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد

۱- القرآن ۳۸: ۲۶۔

۲- القرآن ۴: ۵۸۔

۳- امام محمد بن عیسیٰ الترمذی، جامع الترمذي، أبواب الأحكام ، باب ماجاء في الإمام العادل، رقم: ۱۳۲۹۔

سنة متبعة.[۴] (قضا ایک ضروری فرض اور قابل اتباع سنت ہے۔) خلافت راشدہ کے بعد اموی، عباسی اور عثمانی خلافت میں نظامِ قضا کو مربوط نظام کی صورت میں قائم کیا گیا۔ سلاطین دہلی نے بھی قرآن و سنت کی اطاعت اور اپنے ماقبل خلفا کی طرز پر اپنی سلطنت میں نظام قضا کو بہت مضبوط طریقے سے قائم کیا۔

سلطنت دہلی کا پس منظر

مسلمانوں کا برصغیر پاک و ہند سے سیاسی تعلق اس وقت شروع ہوا جب اموی جرنیل محمد بن قاسم (م۷۱۵ء) نے ۷۱۱ء میں سندھ فتح کیا اور اس کے بعد سندھ خلافت اسلامیہ کا ایک باقاعدہ صوبہ بن گیا۔ یہاں کا نظم ونسق دوسرے مفتوحہ علاقوں کی طرح مقامی لوگوں کے ہاتھوں میں دیا گیا۔ بہ قول الفنسٹن:

> He appointed the Hindu who had been Dahir's Primeminster to the same office under him.[5]

(محمد بن قاسم نے راجہ داہر کے وزیر اعظم کو ہی وزارت عظمیٰ کے عہدے پر متعین کر دیا۔)

مسلمان جو زیادہ تر فوجی تھے ان کے لیے قاضی مقرر کیے گئے تھے، البتہ عام جرائم اور سیاسی جرائم میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہ تھا۔[۶] فتح سندھ کے تین سو سال بعد ۱۰۱۲ء میں محمود غزنوی نے پنجاب کو فتح کیا اور لاہور کو پنجاب کا دارالخلافہ بنایا۔ پنجاب کا گورنر محمود غزنوی کا غلام ایاز تھا، اس نے بھی محمد بن قاسم کی پالیسی اپناتے ہوئے یہاں ہندو عہدے دار مقرر کیے۔[۷] ۱۱۷۵ء میں معزالدین محمد غوری نے غزنوی حکومت کو ختم کر کے ملتان ،لاہور اور پشاور پر قبضہ کر لیا اور قطب الدین ایبک[۸] کو اپنا نائب بنایا۔[۹]

۴- شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ، **إعلام الموقعين عن رب العالمين**(مصر: مكتبة الكليات الأزهريه، ۱۹۶۸ء)،۱: ۸۵۔

5 - Mounstuart Elphinstone, *History of India* (London : John Murray ,1889), 311

6 - Wahid Hussain, *Administration Justice During Muslim Rule in India* (Calcutta: University of Calcutta, 1934), 54 .

7 - Tripathi R.P, *Some Aspects of Muslim Administration* (The India Press, Allah abad, 1936), 9.

۸- قطب الدین ایبک ۱۲۱۵ء میں فوت ہوا اس کا مزار انارکلی لاہور میں ایک سڑک پر واقع ہے جو ایبک روڈ کے نام سے موسوم ہے۔

۹- منہاج سراج، **طبقات ناصری**، ترجمہ وحواشی، غلام سول مہر (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۵ء) ،۱: ۱۴۷۔

غزنوی اور غوری خاندان کے بادشاہوں کو سلاطین دہلی میں اس لیے شامل نہیں کیا جاتا کہ ان کے دورِ حکومت میں برصغیر کے ان علاقوں کا دارالسلطنت غزنی تھا۔ سلاطین دہلی سے مراد وہ حکم ران ہیں جن کے دور میں ان کی سلطنت کا دارالخلافہ دہلی رہا۔ ان خاندانوں میں یہ پانچ خاندان شامل ہیں۔

۱- خاندان غلاماں:(۶۰۲ھ-۶۸۹ھ/۱۲۰۶ء-۱۲۹۰ء)

اس خاندان کا بانی قطب الدین ایبک (م ۶۱۲ھ/۱۲۱۵ء) تھا، یہ شہاب الدین غوری کا غلام تھا۔ غوری نے اپنی اولاد نرینہ نہ ہونے کے باعث ۱۲۰۶ء میں اسے اپنا نائب بنایا، اس کے علاوہ سلطان آرام شاہ، شمس الدین التمش، رکن الدین فیروز شاہ، رضیہ سلطانہ، معزالدین بہرام شاہ، علاؤالدین مسعود شاہ، اور ناصر الدین محمود شاہ نے حکومت کی۔ اس طرح اس خاندان کے گیارہ حکم رانوں نے چوراسی سال حکومت کی۔

۲- خاندان خلجی:(۶۸۹ھ-۷۲۰ھ/۱۲۹۰ء- ۱۳۲۰ء)

اس خاندان نے صرف تیس سال حکومت کی۔ اس خاندان کا بانی حکم ران جلال الدین خلجی تھا جو کہ خاندان غلاماں کے آخری سلطان کے عہدِ حکومت میں پنجاب کا گورنر تھا۔ اس نے اس آخری سلطان کو قتل کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اس عرصۂ سلطنت میں چھے حکم ران گزرے جو یہ ہیں؛ جلال الدین فیروز شاہ، رکن الدین ابراہیم شاہ، علاؤالدین محمد شاہ، شہاب الدین محمد شاہ، قطب الدین مبارک شاہ، اور ناصر الدین فیروز شاہ۔

۳- خاندان تغلق:(۷۲۰ھ-۸۱۷ھ/۱۳۲۰ء-۱۴۱۴ء)

خاندانِ تغلق نے ۹۴ سال حکومت کی اس دوران نو حکم رانوں نے حکومت کی جن کے نام یہ ہیں: محمد غیاث الدین اوّل، محمد ثانی، فیروز شاہ، غیاث الدین ثانی، ابو بکر شاہ، ناصر الدین محمد شاہ، علاؤالدین سکندر اوّل، ناصر الدین محمود شاہ اور نصرت شاہ۔

۴- خاندان سادات:(۸۱۷ھ- ۸۵۵ھ/۱۴۱۴ء-۱۴۵۱ء)

اس خاندان نے سینتیس سال حکومت کی۔ اس عرصے میں اس خاندان کے چار حکم رانوں نے حکومت کی جن کے نام یہ ہیں: خضر خاں، مبارک شاہ، محمد شاہ اور عالم شاہ۔

۵- خاندان لودھی:(۸۵۵ھ-۹۳۳ھ / ۱۴۵۱ء-۱۵۲۶ء)

سلاطین دہلی میں یہ خاندان آخری خاندان تھا جس نے پچھتر برس حکومت کی۔ اس خاندان کے جن سلاطین نے حکومت کی ان کے نام یہ ہیں: بہلول لودھی، سکندر لودھی اور ابراہیم ثانی۔

اس تاریخی جائزے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سلاطین دہلی میں طویل ترین حکومت تغلق خاندان کی اور قصیر المدت حکومت خلجی خاندان کی تھی۔ اس طرح ۳۲۰سال میں سلاطین دہلی کے یہ پانچ خاندان حکومت کرتے رہے۔

سلاطینِ دہلی اور اہمیتِ قضا

سلاطینِ دہلی اگرچہ ترک آزاد شدہ غلام تھے، لیکن ان کے فکر و عمل میں ایرانی عنصر بہت غالب تھا۔ ان کا نظریۂ حکمرانی، نظام مملکت کے اصول، دربار کے آداب و رسوم، لباس شاہی، محلات کا ماحول، خواجہ سرائیں اور غلاموں کی تربیت ساسانی فکر میں رنگی ہوئی تھیں۔ ایک طرف اگر ان کی عیش و نشاط کی محفلیں، جیسے جشنِ نوروز، بہرام، پرویز اور جمشید کی محفلوں کی یاد تازہ کرتیں تو دوسری طرف ان کی رزمی زندگی اور فوج کی تربیت میں ساسانی نقشہ نظر آتا۔ غیاث الدین بلبن، جس نے اپنے بیٹوں کے نام محمد اور احمد رکھے تھے، تخت نشینی کے بعد اپنے پوتوں کے نام کیقباد، کیخسرو اور کیکاؤس رکھنے پر مجبور ہو گیا۔[۱۰]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اگر کوئی ان کا نسب پوچھتا تو آپ جواباً فرماتے: سلمان بن اسلام[۱۱] لیکن سلاطین دہلی اس قسم کے سوال کے جواب میں آلِ افراسیاب ہونے پر فخر کا اظہار کرتے۔[۱۲] ان سلاطین کے فکر و عمل اور تہذیب و تمدن میں اگرچہ ساسانی اور ایرانی نسبی عنصر غالب تھا، لیکن ان کا نظام حکومت ترکی و عباسی شان رکھتا تھا۔ مقامی حکومت کا ڈھانچہ ہندوستانی نظام پر قائم کیا گیا جب کہ مرکزی حکومت کی تشکیل عباسی حکومت کے نمونے پر تھی۔[۱۳]

۱۰- خلیق احمد نظامی، **سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات** (دہلی: ادارہ ادبیات، ۱۹۸۷ء)، ۱۶۔

۱۱- ضیاء الدین برنی، **تاریخ فیروز شاہی**، تصحیح، شیخ عبد الرشید (انڈیا: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۵۷ء)، ۳۷۔

۱۲- عبد الحفیظ، **برصغیر پاک و ہند میں اسلامی نظام عدل وگستری** (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۶۹ء)، ۸۳؛ خلیق احمد نظامی، مصدرِ سابق، ۱۶۔

۱۳- عبد الحفیظ، مصدرِ سابق، ص ۸۳-۸۷۔

اس پس منظر کے باوجود سلاطین دہلی نے نظام قضا کی طرف بہت زیادہ توجہ کی اور قیام عدل کو دینی ذریعے کی حیثیت دی۔ شمس الدین التمش نے انصاف چاہنے والوں کے لیے اپنے محل کے باہر زنجیر عدل لگائی ہوئی تھی، نیز یہ دیکھنے کے لیے کہ اس کی سلطنت میں عدل و انصاف درست طریقے سے ہو رہا ہے یا نہیں سلطنت کے دورے کرتا تھا۔ اس نے یہ بھی اعلان کیا ہوا تھا کہ اگر کسی شخص کو انصاف نہ ملے تو وہ رنگین کپڑے پہن کر بادشاہ کے پاس پہنچے۔ فیروز شاہ تغلق کے بارے یہ معروف تھا کہ وہ خونی مجرموں کی ہرگز رعایت نہ کرتا اور ان سے فوراً قصاص لیتا۔[۱۴] قاضی اگر کوئی فیصلہ خلاف شرع کرتا تو اُسے اس اقدام پر سزائے موت دی جاتی۔[۱۵] بعض قاضیوں نے سلطان کے فیصلوں سے اختلاف بھی کیا جیسے سلطان علاؤالدین خلجی، جو نہایت اکھڑ مزاج سلطان تھا۔ ایک بار اس نے بعض رشوت خور افسران اور اہل کاروں کو وحشیانہ سزائیں دیں تو اس وقت کے قاضی مغیث نے ان سزاؤں کو خلاف شریعت قرار دیا۔ ایک اور موقع پر سلطان علاؤالدین نے قاضی مغیث سے اس کی سربراہی میں ہونے والی فتح دکن کے مال غنیمت کے بارے پوچھا کہ وہ اس کی ملکیت ہے یا بیت المال کی؟ قاضی نے فیصلہ دیا کہ یہ مال غنیمت اس کا نہیں بلکہ بیت المال کا ہے۔ یہ سن کر سلطان غیض و غضب سے آگ بگولا ہو گیا لیکن قاضی مغیث نے کہا میں نے جو فیصلہ دیا وہ شریعت اسلامی کے مطابق ہے خواہ آپ مجھے قید میں ڈال دیجیے یا قتل کر دیجیے۔ میں قرآن و حدیث کے سوا کسی مصلحت کی بنا پر فیصلہ نہیں کر سکتا۔ لوگوں کو یہ یقین ہو گیا کہ سلطان اُسے قتل کروا دے گا، لیکن اگلے روز سلطان نے قاضی مغیث کو طلب کر کے خلعت اور انعام سے نوازا اور اس نے کہا: ”میں مسلم ہوں میں کئی ایسے اقدامات کرتا ہوں جس میں بہت سی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں، لیکن وہ فیصلے سلطنت کی بہتری اور عوام کی بہبود کے لیے ضروری ہوتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ روز قیامت مجھ سے کیا سلوک کیا جائے گا۔“[۱۶] قضا کی اس اہمیت کے پیش نظر سلاطینِ دہلی نے جو نظامِ قضا تشکیل دیا اس کا خاکہ یہ تھا۔

۱۴- ضیاالدین برنی، مصدرِ سابق، ۳۲۶۔

15 - M. Bashir Ahmad, *Administration of Justice in Medieval India* (Aligrah: Alighar Historical Research Instittute, 1941), 68.

۱۶- محمد قاسم فرشتہ، **تاریخ فرشتہ**، ترجمہ اُعبدالحی خواجہ (لاہور: المیزان پبلشرز، ۲۰۰۴ء)، ۱: ۲۵۵؛ عبدالمجید سالک، **مسلم ثقافت ہندوستان میں** (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ت۔ن)، ۱۴۰۔

دیوان القضا

سلاطینِ دہلی کا نظامِ حکومت مختلف دیوانوں (وزارتوں) پر مشتمل تھا۔ ان میں سے ایک بڑی وزارت دیوان رسالت تھی۔ یہ دیوانِ رسالت دین، عدل اور حسبہ کے شعبوں پر مشتمل تھا۔ اس دیوان کی نگرانی ایک وزیر کے سپرد ہوتی جسے صدر الصدور یا صدر جہاں کہا جاتا۔ یہ قاضی ممالک بھی ہوتا۔ محکمہ قضا کے تمام قاضی اس کے ماتحت ہوتے۔ (۱۷)

۱۲۰۶ء سے ۱۲۴۸ء تک قاضی القضاۃ محکمۂ عدل کا سربراہ رہا جب کہ ۱۲۴۸ء میں سلطان ناصر الدین (خاندان غلاماں کا آخری حکم ران) نے صدر جہاں کا الگ عہدہ قائم کیا۔ دیوان القضا میں اسلامی شرع کے مطابق فیصلے کیے جاتے، لہٰذا اسے دیوان الشرع اور دیوان ریاست بھی کہا جاتا۔ (۱۸) قاضی ممالک کو قاضی مظالم کی حیثیت سے لوگوں کی طرف سے افسروں کے خلاف شکایات بھی سننا پڑتی۔ اگر کوئی فریادی اس فیصلے سے مطمئن نہ ہوتا تو بہ راہِ راست وہ سلطان سے بھی دادرسی کر سکتا تھا۔ تمام ملک کے مفتی اور قاضی دیوان القضا کے ماتحت ہوتے، ہر شہر میں ایک قاضی ہوتا جو وہاں کے مقدمات سنتا۔ قاضیوں کا تقرر مرکز کی طرف سے ہوتا۔ دیوان القضا کے فیصلوں کی تعمیل تمام متعلقہ محکموں پر لازم تھی۔ عدل و انصاف کے حوالے سے بادشاہ کا فیصلہ آخری ہوتا لیکن سلطان اس وسیع اختیار کا استعمال بہت کم کرتا۔ سلطان، عدالتِ انصاف کے معاملات میں خود بھی ذاتی طور پر دل چسپی لیتا، ہفتے یا ہفتے کے مقررہ دنوں (پیر اور جمعرات) میں دربار کا انعقاد کرتا۔ مظالم یعنی افسران کی بے جا زیادتیوں کی شکایات کے فیصلے بھی خود بادشاہ کرتا۔ (۱۹) عدلیہ کی آزادی کا عالم یہ تھا کہ ایک عام شخص سلطان وقت پر عدالت میں مقدمہ دائر کر سکتا تھا اور سلطان خود بھی کسی کے خلاف بذریعہ عدالت کاروائی کرتا۔ (۲۰)

سلاطین دہلی کی عدالتیں

سلاطین دہلی کے پانچ خاندانوں نے ۳۲۰ سال حکومت کی۔ اس دوران میں حکومتی اداروں میں اگرچہ مختلف تبدیلیاں بھی ہوتی رہیں، لیکن مجموعی طور پر ان کا نظام قضا مندرجہ ذیل پانچ قسم کی عدالتوں پر مشتمل تھا۔

۱۷۔ عبدالمجید سالک، **مسلم ثقافت ہندوستان میں**، ۱۵۴۔

18 - Bashir Ahmad, *op.cit.*, 105.

۱۹۔ ڈاکٹر ریاض الاسلام، **تاریخ سلطنت دہلی**، ۲۶۹۔

۲۰۔ ضیاء الدین برنی، **تاریخ فیروز شاہی**، ۴۰۵-۴۰۸۔

۱-مرکزی عدالتیں

ان عدالتوں سے مراد وہ عدالتیں ہیں جو سلاطین دہلی نے اپنے دارالخلافہ دہلی میں قائم کی تھیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

(الف) شاہی عدالت

اس عدالت کا اعلیٰ عہدے دار سلطان بہ ذاتِ خود ہوتا۔ یہ عدالت ہفتے کے مقررہ دنوں (پیر اور جمعرات) میں دربار شاہی میں منعقد ہوتی۔ اس عدالت میں اگرچہ ہر قسم کے مقدمات یعنی ابتدائی اور مرافعہ پیش ہوسکتے، لیکن اس عدالت میں بالعموم طاقت ور امرا کے معاملات اور سرکاری افسروں کی بے جا زیادتیوں کی شکایات پیش ہوتیں ایسے مقدمات کا فیصلہ بادشاہ خود کرتا۔[۲۱]

قصر شاہی میں چار مفتی اقامت پذیر ہوتے، جب کوئی شخص کسی الزام میں گرفتار ہوتا تو یہ مفتی اس معاملے کی تحقیق کرتے، سلاطین کی طرف سے انھیں یہ کہا گیا تھا کہ اگر کوئی شخص ناحق مارا گیا اور تم نے اس کی جانب سے حق گوئی میں کوتاہی کی تو اس کا خون تمھاری گردن پر ہوگا۔ چناں چہ یہ مفتی عدالت شاہی میں ملزم کی مدافعت میں دلائل پیش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔ اگر یہ مفتی ملزم کے دفاع میں ناکام ہوجاتے تو بادشاہ فی الفور قتل کروا دیتا۔ اگر سلطان لاجواب ہوجاتا تو اس وقت مفتیوں کو واپس بھیج دیتا پھر ان کے دلائل کا جواب سوچتا۔ دوسری نشست میں اگر مفتی جواب نہ دیتے تو ملزم کو سزا دی جاتی اور اگر سلطان خود لاجواب ہوجاتا تو اس وقت ملزم کو رہا کر دیا جاتا۔[۲۲]

جب شاہی عدالت کا باقاعدہ انعقاد ہوتا تو بڑے اہتمام سے عدالت منعقد ہوتی، اس عدالت کا نقشہ اشتیاق قریشی نے صبح الأعشی کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے:

> سلطان ایک مطلّی سنہرے تخت پر بیٹھتا اور اس کے ارد گرد محافظ دستے کے سپاہی اور دیگر عہدیدار ہوتے۔ قاضی ممالک قانونی مشورہ دینے کے لیے تاجدار کے پہلو میں بیٹھتا، جب نقیب عدالت کھلنے کا اعلان کرتے تو مستغیث آگے بڑھ کر اپنا استغاثہ پیش کرتا۔ جس دن اجلاس نہ ہوتا تو حاجب صرف درخواستیں وصول کر کے امیر حاجب کے پاس روانہ کر دیتے۔

۲۱- ڈاکٹر ریاض الاسلام، **تاریخ سلطنت دہلی**، ۲۶۹۔

۲۲- یحیٰ بن احمد سرہندی، **تاریخ مبارک شاہی**، مترجم، ڈاکٹر آفتاب اصغر (لاہور: مرکزی اردو، ۱۹۷۶ء)، ۲۰۱۔

بالآخر یہ درخواستیں سلطان کے حضور پیش کی جاتیں۔[۲۳] تغلق خاندان کے فرماں روا محمد تغلق کی شاہی عدالت کے بارے ہیں ابن بطوطہ (م۱۳۷۷ء) نے لکھا ہے:

سلطان محمد تغلق ہر پیر اور جمعرات کو مقدمات کی سماعت کے لیے دیوان خانے کے سامنے ایک میدان میں بیٹھ جاتا اور اس کے سامنے امیر حاجب،[۲۴] خاص حاجب، سید الحجاب اور شرف الحجاب موجود ہوتے۔ سلطان ان چاروں حجاب کو ہر دروازے پر متعین کر دیتا تاکہ وہ مستغیثوں کی شکایات قلمبند کریں۔ اگر کسی مستغیث کا استغاثہ پہلے دروازے پر متعین حاجب تحریر نہ کرتا تو وہ دوسرے دروازے پر متعین حاجب کے پاس جاتا۔ اگر وہ بھی انکار کرتا پھر تیسرے کے پاس جاتا۔ اگر وہ بھی انکار کر دیتا تو چوتھے دروازے پر متعین حاجب کے پاس پہنچتا۔ اگر وہ بھی انکار کرتا تو پھر مستغیث صدر جہاں کے پاس جاتا۔ اگر صدر جہاں بھی انکار کر دیتا تو پھر مستغیث براہ راست سلطان کے پاس اپنا استغاثہ پیش کرتا۔ سلطان نماز عشاء کے بعد ان تمام تحریروں کا خود مطالعہ کرتا۔[۲۵]

ابتدائی مرافعہ کے لیے درخواستیں پیش کرنے کے لیے کوئی مخصوص وقت نہ تھا۔ اس مقصد کے لیے مختلف سلاطین نے مختلف طریقے وضع کیے ہوتے تھے۔ خاندان غلاماں میں التمش نے مظلوم کو دن کے وقت رنگین کپڑے پہننے کا حکم دیا تھا، اس لیے کہ اس وقت لوگ عموماً سفید کپڑے پہنتے تھے، اس کے علاوہ اس نے اپنے محل میں ایک زنجیر کے ساتھ گھڑیال باندھا تھا۔ مظلومین اس زنجیر کو ہلاتے اور گھڑیال کی آواز سن کر التمش باہر آتا اور ان کے مقدمات کا فیصلہ کرتا۔[۲۶]

محمد تغلق نے نظر ثانی کی عدالت (Court of Revision) تشکیل دی۔ اس عدالت کے لیے درخواست دینے کا کوئی وقت مخصوص نہ تھا۔ اس عدالت اپیل میں سلطان کے علاوہ دیوان القضا، دیوان رسالت، دیوان الوزارت اور دیوان العریض کے سیکرٹریوں کے علاوہ متعدد عمائدین سلطنت بھی شرکت کرتے۔[۲۷]

۲۳- اشتیاق حسین قریشی، **سلطنت دہلی کا نظم حکومت**، ترجمہ ہلال احمد زبیری (کراچی: کراچی یونیورسٹی، ۱۹۷۱ء)، ۷۴ بہ حوالہ احمد بن علی القلقشندی، **صبح الأعشى في صناعة الإنشاء** (مکہ مکرمہ: دار الباز للنشر، ۱۹۸۷ء)، ۵: ۹۱۔

۲۴- امیر حاجب سلطنت دہلی میں سلطان اور رعایا کے درمیان ایک واسطہ ہوتا۔ اس کے بغیر کوئی شخص کس طرح بھی سلطان کے حضور حاضر نہ ہو سکتا۔ یہی حاجب اپنے شاہی آقاؤں کے پیغامات درخواست گذاروں اور حکام تک پہنچاتا۔ اس طرح سلطان کی خدمت میں تمام عرضداشتیں بھی حاجب ہی پیش کرتا۔

۲۵- ابن بطوطہ، **عجائب الأسفار**، (بیروت: دار صادر، ت-ن) ۲: ۴۷۰۔

Mahdi Hasan Agha, *Tughlaq Dynsty* (Calculta: Thacker Spin & Co. 1963), 540.

۲۶- عبد القادر ملوک شاہ بدایونی، **منتخب التواریخ**، ترجمہ، محمود احمد فاروقی (لاہور: شیخ غلام علی، ۱۹۶۲ء)، ۱: ۲۳۹۔

۲۷- بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۱: ۱۴۴۔

سلطان جب کسی دورے پر نکلتا تو بھی عوام کو اپنی درخواستیں پیش کرنے کی اجازت ہوتی اور ان درخواستوں کے مطابق فیصلہ کیا جاتا۔ اگر کوئی مستغیث سلطان کے کسی عزیز رشتے دار کے خلاف استغاثہ دائر کرتا تو سلطان اس کی سماعت خود کرنے کے بجائے قاضی کے سپرد کر دیتا۔[۲۸]

(ب) عدالت قاضی القضاۃ

اس عدالت کا اعلیٰ عہدے دار قاضی القضاۃ ہوتا۔ اس عدالت میں بھی ہر کسی کے خلاف کوئی بھی مقدمہ پیش کر سکتا تھا۔ سلطان نے اگر کسی کے خلاف کوئی مقدمہ کرنا ہوتا تو وہ اس عدالت کی طرف رجوع کرتا، جیسا کہ سلطان محمد تغلق نے ایک شخص کے خلاف قاضی القضاۃ کی عدالت میں توہین کا مقدمہ دائر کیا اور قاضی نے سلطان کے خلاف فیصلہ دیا۔[۲۹]

اگر عوام میں سے کسی کو سلطان کے خلاف کوئی شکایت ہوتی تو وہ بھی اس عدالت کی طرف رجوع کرتے، چناں چہ ایک امیر نے قاضی کی عدالت میں یہ استغاثہ دائر کیا کہ سلطان نے اس کے بھائی کو بے انصافی میں سزائے موت دی۔ سلطان خود اس عدالت میں پیش ہوا اور مقدمے کا فیصلہ سلطان کے خلاف ہوا۔ فیصلے کے مطابق سلطان نے مدعی کو خون بہا ادا کیا۔[۳۰] ایک اور موقع پر ایک شخص نے اس عدالت میں سلطان کے خلاف یہ دعویٰ کیا کہ سلطان پر میرے اتنے روپے قرض ہیں۔ سلطان نے دعوے کے مطابق عدالت میں حاضر ہو کر قرض ادا کیا۔[۳۱] سلاطین کے نزدیک قاضی القضاۃ کا منصب اس قدر محترم تھا کہ انھوں نے قاضی القضاۃ کو یہ ہدایت بھی کی ہوتی تھی کہ وہ سلطان کی آمد پر کھڑا نہ ہو۔[۳۲] جس وقت قاضی القضاۃ کی عدالت منعقد ہوتی تو اس وقت درج ذیل لوگ عدالتی معاون عملہ کے طور پر کام کرتے۔

۱- **مفتی:** یہ قاضی القضاۃ کو قانونی مشورہ دیتے، اختلاف رائے کی صورت میں سلطان سے مشورہ کیا جاتا۔

۲- **پنڈت:** ہندوؤں کے دیوانی مقدمات میں قاضی القضاۃ کی راہ نمائی کرتا۔

۲۸- ابن بطوطہ، **عجائب الأسفار**، ۲۶۷۔

۲۹- عبد القادر بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۱: ۲۳۹۔

۳۰- اشتیاق حسین قریشی، **سلطنت دہلی کا نظم حکومت**، ۱۷۴۔

۳۱- ابن بطوطہ، **سفر نامہ ابن بطوطہ**، مترجم رئیس احمد جعفری (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۲ء)، ۳: ۲۸۵-۲۸۶۔

۳۲- اشتیاق حسین قریشی، **سلطنت دہلی کا نظم حکومت**، ۱۷۴۔

۳ -دادبک: قاضیوں کے انتظامی مددگار کے طور پر تعینات کیا جاتا۔ ہر وہ شخص جس کے نام عدالت سے حاضری کا حکم جاری ہوتا تو وہ اُسے عدالت میں حاضر کرتا اور موجود رکھتا نیز قاضیوں کے فیصلوں کی تعمیل کرتا۔(۳۳)

(ج) دیوان الرسالت / عدالت صدر جہاں

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ دیوان الرسالت عہد سلاطین دہلی میں ایک مکمل وزارت کا نام تھا۔ جس کے ذیلی شعبے عدل، دین اور حسبہ تھے، اس وزارت کے سربراہ کو صدر جہاں کہا جاتا۔ بشیر احمد کے مطابق یہ دو الگ الگ عدالتیں تھیں، لیکن ان کا اعلیٰ عہدے دار صدر جہاں ہی تھا۔ دیوان الرسالت دیوانی مقدمات کی اعلیٰ ترین عدالت مرافعہ تھی، یہ مرافعات دیوان السیاست، مظالم، قضا اور گورنروں کے فیصلوں سے متعلق ہوتے۔ جب کہ عدالت صدر جہاں میں مذہبی امور سے متعلق مقدمات پیش ہوتے۔(۳۴) سلطان کو اگر کسی کے خلاف استغاثہ دائر کرنا ہوتا تو وہ بھی صدر جہاں کی عدالت میں کرتا جیسے محمد شاہ تغلق نے شیخ زادہ جامی کے خلاف کمال الدین صدر جہاں کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا۔(۳۵)

صدر جہاں کو صدر الصدور یا صدر کل بھی کہا جاتا۔ خاندان غلاماں نے اپنے آغاز سے لے کر محکمۂ عدلیہ کے سربراہ کو قاضی القضاۃ قرار دیا۔ ۱۲۴۸ء میں اس خاندان کے سلطان ناصر الدین نے صدر جہاں کا ایک اور اعلیٰ عہدہ قائم کیا اور قاضی القضاۃ منہاج سراج کو پہلا صدر جہاں مقرر کیا۔ اس عہد میں صدر جہاں محکمۂ عدلیہ کا صدر سمجھا جاتا۔ نیز محکمہ امور مذہبی کا نگران بھی یہی صدر جہاں ہوتا۔ بعض اوقات صدر جہاں عدالت شاہی میں بھی مقدمات کی سماعت کرتا۔ اس کی سفارش سے قاضیوں کا تقرر ہونا اور اسی کے دفتر سے احکام تقرر کا اجرا ہوتا۔ ۱۲۹۵ء تک صدر جہاں کا عہدہ قائم رہا۔ ۱۲۹۵ء میں علاؤ الدین خلجی نے جب انتظام سلطنت سنبھالا تو اس نے ان دونوں عہدوں کو ختم کر دیا اس کے بعد ۱۳۵۱ء میں جب فیروز شاہ تغلق نے سلطنت سنبھالی تو اس نے عارضی طور پر ان دونوں عہدوں کو الگ الگ کر دیا، لیکن بالعموم ان دونوں عہدوں پر ایک ہی شخص کو تعینات کیا جاتا۔ صدر جہاں کا عہدہ تاحیات ہوتا اور اس کے ذمہ یہ چار فرائض ہوتے۔

---

۳۳ - M. Bashir Ahmad, *Administration of Justice in Medieval India*. 114.

ضیاء الدین برنی، **تاریخ فیروز شاہی**، ۴۴۔

۳۴ - M.Bashir Ahmad, op.cit., 104.

۳۵- یحییٰ بن احمد، **تاریخ مبارک شاہی**، ۲۰۲۔

۱- فصلِ خصومات ۲- امورِ شرعیہ کا احتساب
۳- امامت ۴- عطائے خطابات (۳۶)

(د) عدالتِ امیر داد

مقدمات کی سماعت کے لیے عدالت امیر داد چوتھی مرکزی عدالت تھی۔ اس عدالت کو دارالعدالت کہا جاتا۔ سلطان اس عدالت کی بھی سربراہی کرتا۔ لیکن سلطان کی عدم موجودگی میں امیر داد اس عدالت کی صدارت سے متعلق فرائض سرانجام دیتا۔ امیر داد کو داد بک اور امیر العدل بھی کہا جاتا۔ یہ عدالت مظالم کے متعلق مقدمات کی ابتدائی وعدالتِ مرافعہ تھی، بہ قول مہاجن:

> He presided over the court of Mazalim in the Absence of Sultan.(37)

یعنی امیر داد سلطان کی عدم موجودگی میں عدالت مظالم کی صدارت کرتا۔ جب کہ سلطان کی موجودگی میں امیر داد عدالت مظالم کے انتظامی امور سرانجام دیتا۔ بعض اوقات سلطان اپنی موجودگی میں بھی مظالم کی سماعت اس کے سپرد کر دیتا۔ امیر داد اعلیٰ مرتبہ، متقی، باکردار اور اعلیٰ قابلیت کا حامل ہوتا۔ اُسے معقول مشاہرہ دیا جاتا تاکہ وہ بدعنوانی نہ کرے۔ محمد تغلق کے دور میں امیر داد کا مشاہرہ پچاس ہزار ٹنکہ (۳۸) سالانہ تھا۔

سلطنت دہلی میں امیر داد اتنا بااختیار ہوتا کہ اعلیٰ ملکی سیاست میں بھی حصہ لیتا، جیسے قطب الدین ایبک نے لاہور میں جب انتقال کیا تو دہلی کے امیر داد علی اسماعیل اور دوسرے امرا و صدور نے بدایون سے سلطان شمس الدین التمش کو بلایا تاکہ وہ آکر تخت سنبھالیں۔ (۳۹)

سلاطین دہلی کے دور میں امیر داد کے اہم فرائض و اختیارات یہ تھے:

۱- سلطان کی عدم موجودگی میں مظالم سے متعلق مقدمات کی سماعت کرنا۔

---

36 - M.Bashir Ahmad, op.cit., 105-106.

اشتیاق حسین قریشی، **سلطنت دہلی کا نظم حکومت**، (باب ۱۹)، ۱۷۰؛ عبد الحفیظ، **برصغیر پاک و ہند میں اسلامی نظام عدل و گستری**، ۱۰۰۔

37 - V.D. Mohajan, *The Sultant of Delhi*, *Bombaby*, Chand Co. 1963, 238.

۳۸- ٹنکہ عہد سلاطین میں سونے اور چاندی کا سکہ ہوتا جس کی مالیت ۱۰۰ جیتل (پیسہ) کے برابر ہوتی۔ (یحيٰ بن احمد، **تاریخ مبارک شاہی**، ۱۲۶)۔

۳۹- منہاج سراج، **طبقات ناصری**، ۱: ۴۸۷۔

۲- بلند مرتبہ مجرموں کو عدالت میں پیش کرنا۔

۳- قاضی کی عدالت میں شرکت کرنا اور اگر قاضی کی طرف سے دی گئی سزا میں شرعی حدود سے تجاوز کیا گیا ہو تو اس کی مخالفت کرنا۔

۴- اگر امیر داد کو قاضی کے فیصلے میں غلطی کا شبہ ہو تو قاضی کی توجہ اس طرف مبذول کروانا۔

۵- قاضی کے متفقہ فیصلے یا اعلیٰ عدالت کے فیصلے تک تعمیل کی کارروائی ملتوی کرنا۔

۶- قاضیوں کے فیصلوں کی تعمیل کرانا، نیز عدالتوں کے انتظامی امور طے کرنا۔

امیر داد کے دفتر میں ان دستاویزات کی نقول کو محفوظ رکھا جاتا جس کا اندراج قاضی کی عدالت میں کیا جاتا۔[۴۰]

(ھ) دیوان سیاست

محمد تغلق کے دور میں یہ عدالت عارضی طور پر قائم کی گئی جس میں صرف تعزیری جرائم (حسبہ) سے متعلق مقدمات پیش کیے جاتے۔[۴۱] مرکزی عدالتوں کی یہ تفصیل بشیر احمد کے مطابق ہے۔ نیز اس تفصیل کے مطابق صدر جہاں اور قاضی القضاۃ کے عہدے الگ الگ تھے۔

واحد حسین کے مطابق عہد سلاطین دہلی میں یہ مرکزی عدالتیں تھیں۔

نمبر شمار	نام عدالت	اعلی عہدے دار
۱-	عدالت شاہی	سلطان
۲-	چیف کورٹ آف جسٹس	میر عدل
۳-	عدالت قاضی القضاۃ	قاضی القضاۃ
۴-	عدالت تحت متعلق امور مذہبی	قاضی
۵-	عدالت تحت متعلق قانون ملک کا من لا	عادل یا قاضی[۴۲]

۴۰- اشتیاق حسین قریشی، مصدرِ سابق، ۱۷۳؛ عبدالحفیظ، مصدرِ سابق، ۹۳۔

V.D Mohajan, The Sultant of Delhi. P. 239.

41 - Muhammad Bashir Ahmad, op.cit., 104.

۴۲- عبدالحفیظ، **برصغیر پاک وہند میں اسلامی نظام عدل وگستری**، ۱۰۴۔

Wahid Hussain, *Administration Justice during Muslim Rule in India* , 71.

۲-صوبوں کی عدالتیں

عہد سلاطین دہلی میں صوبائی دارالحکومتوں میں یہ عدالتیں قائم کی گئیں تھیں:

نمبر شمار	نام عدالت	نوعیت مقدمات	اعلیٰ عہدے دار
ا-	عدالت ناظم صوبہ	ابتدائی و مرافعہ	ناظم یا گورنر صوبہ
ب-	گورنر کی مجلس عدالت	مرافعہ	گورنر
ج-	عدالت قاضی صوبہ	ابتدائی و مرافعہ	قاضی صوبہ
د-	گورنر کی مجلس عدالت	امور مذہبی و قانون ملک	قاضی / صدر صوبہ
ھ-	عدالت دیوان صوبہ	مالی مقدمات	دیوان صوبہ

صوبوں میں گورنر یا ناظم صوبہ سلطان کی نمائندگی کرتا۔ یہ بھی سلطان کی طرح ابتدائی استغاثہ اور مرافعات کی سماعت کرتا۔ ابتدائی مقدمات میں تو ناظم صوبہ تنہا اجلاس کرتا، اگر فریق مقدمہ اس کے فیصلے سے مطمئن نہ ہوتا تو وہ مرکزی عدالتِ مرافعہ میں چارہ جوئی کرتا۔ اگر گورنر کے پاس صوبے کے دیگر عہدے داروں کے فیصلوں کے خلاف مرافعہ ہوتا تو اس کی سماعت کے لیے ایک مجلس منعقد ہوتی جو قاضی صوبہ اور گورنر پر مشتمل ہوتی، اس مجلس میں نہ صرف مقامی صوبے کی عدالتوں کے مرافعات بلکہ خود قاضی صوبہ کے فیصلوں کے مرافعات بھی آتے۔ قاضی صوبہ اپنے فیصلوں کے مرافعات کی مجلس میں مجلس عدالت کا رکن نہ ہوتا۔ اگر کسی فریق کی ان مرافعات کے فیصلوں سے تشفی نہ ہوتی تو دارالسلطنت کی عدالت مرافعہ میں چارہ جوئی کرتا۔[۴۳]

صوبے کا سب سے بڑا قاضی، قاضیِ صوبہ کہلاتا، اسے دیوانی و فوج داری دونوں قسم کے اختیارات ہوتے۔ قاضیِ صوبہ صوبے کے تمام نظام عدلیہ کا ذمے دار ہوتا اور اعلیٰ اختیارات کا حامل ہوتا۔ قاضی صوبہ کا درجہ صوبائی گورنر کے بعد اہم ترین سمجھا جاتا لیکن یہ گورنر کے ماتحت نہ ہوتا، صوبائی قاضی کا انتخاب مرکز کے قاضی القضاۃ، صدر جہاں اور سلطان کے فرمان سے عمل میں آتا۔

قاضی کے لیے ضروری ہوتا کہ وہ جید عالم اور متقی ہو۔ ان کا ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں تبادلہ بھی ہو سکتا تھا۔ جیسے قاضی جلال الدین کاشانی کو تبادلے کے بعد بدایون کی قضا پر تعینات کیا گیا۔ اگر کوئی قاضی اپنے فرائض کو درست طریقے سے انجام نہ دیتا تو اس کا تنزل کر دیا جاتا یا اُسے برطرف کر دیا جاتا۔ جیسے قاضی

43 - M.Bashir Ahmad, op.cit., 117-118.

تاج الدین کو اودھ کی قضا سے اسی بنا پر معزول کر دیا گیا۔[۴۴] ترقی کی صورت میں صوبے کا قاضی دارالسلطنت کا قاضی القضاۃ مقرر کیا جاتا، نیز قاضیِ صوبہ اپنے اضلاع کے ضلعی قاضیوں کے تقرر کی سفارش گورنر کے پاس کرتا۔[۴۵]

۳۔ ضلعی عدالتیں

سلطنت دہلی میں تیسرے درجے کی عدالتیں ضلعی عدالتیں تھیں، ہر ضلعی صدر مقام پر یہ لوگ عدالتی فرائض سر انجام دیتے۔ ان عدالتوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ قاضی: ضلعی قاضی کی عدالت میں ہر قسم کے دیوانی و فوج داری مقدمات پیش ہوتے۔ ضلعی قاضی ان مقدمات کا فیصلہ کرتا۔ ان کے علاوہ دیگر قاضیوں، کوتوال، اور دیہی پنچایتوں کے فیصلوں کے مرافعات پیش ہوتے۔ تعزیری جرائم میں قاضی سزائے موت بھی دے سکتا تھا۔

ب۔ دادبک: معمولی قسم کے دیوانی مقدمات اس عدالت میں پیش کیے جاتے۔

ج۔ فوج دار: فوجدار کی عدالت میں معمولی قسم کے فوج داری مقدمات نمٹائے جاتے۔

د۔ صدر: زمینوں اور رجسٹری وغیرہ کے جھگڑے صدر کی عدالت میں پیش ہوتے۔

ھ۔ عامل: عامل کی عدالت میں مال گزاری کے مقدمات پیش ہوتے۔

و۔ کوتوال: معمولی قسم کے تعزیری مقدمات کا فیصلہ کوتوال کے ہاں کیا جاتا۔

ضلعی عدالتوں میں انعقادِ عدالت کے وقت پر درج ذیل افراد بھی موجود ہوتے۔

۱۔ مفتی ۲۔ پنڈت ۳۔ محتسب ۴۔ دادبک

ان کے علاوہ یہ ماتحت عملہ بھی عدالت میں موجود ہوتا۔

الف) **کاتب:** فریقین مقدمہ کے بیانات قلمبند کرتا۔

ب) **فقیہ:** فتوے اور نظائر لکھتا۔

ج) **ناظر:** عدالت کے تمام انتظامی امور کا ذمے دار ناظر ہوتا۔

ان کے علاوہ منشی اور چوکی دار بھی عدالت میں موجود ہوتے۔

۴۴۔ ضیاء الدین برنی، **تاریخ فیروز شاہی**، ۳۴۸۔

۴۵۔ عبدالحفیظ، **برصغیر پاک و ہند میں اسلامی نظام عدل و گستری**، ۱۰۴۔

ان عدالتوں کے علاوہ ہر فوجی چھاؤنی میں قاضی اردو یا قاضی عسکر متعین ہوتا۔ یہ قاضی فوجی چھاؤنی میں ہر طرح کے مقدمات نمٹاتا۔ ضلعی صدر مقام کے علاوہ ہر چھوٹے بڑے شہر میں ایک قاضی مقرر کیا جاتا۔

دیہاتوں میں پنچایت کے نام سے بھی عدالت کام کرتی۔ اس کا سرپنچ ناظم یا فوج دار کی طرف سے متعین ہوتا۔ پنچایت میں مقامی عام سطح کے مقدمات نمٹائے جاتے۔[۴۶]

قاضیوں کے فرائض و اختیارات

سلطنت دہلی میں قاضیوں کے قضا کے علاوہ یہ اختیارات بھی تھے:

الف) قاضی القضاۃ ملک میں رائج تمام شرعی نظام اور مذہبی امور کے انتظام کا ذمے دار ہوتا۔

ب) قاضی القضاۃ دیگر مقامی قاضیوں کا تقرر کرتا۔

بقول قریشی: سلطنت دہلی کے آغاز میں مقرر شدہ قاضی صرف تنازعات کا فیصلہ کرتے، البتہ بعد میں ان کا دائرۂ اختیار وسیع کر دیا گیا۔ چناں چہ یتیموں و ذہنی پس ماندہ افراد کی جائداد کا انتظام و انصرام، وصیتوں پر عمل درآمد، اوقاف کی نگرانی، لاوارث بیواؤں کے لیے شوہر کی تلاش میں مدد دینا، سڑکوں کی مرمت اور دیکھ بھال کرنا۔ شوارع عام اور کھلے میدانوں میں ناجائز تجاوزات کو روکنا، متنازع فیہ جائداد کو امانت رکھنا یا امانت دار کا تعین کرنا اور شرع کا احترام بر قرار رکھنا۔ یہ تمام فرائض و اختیارات قاضیوں کے سپرد کیے گئے۔[۴۷]

قاضیوں کا تقرر

کسی بھی نظام کی بہتری اس نظام کے عہدوں پر مقرر کردہ افراد کی اہلیت سے وابستہ ہوتی ہے۔ سلاطین دہلی نے اس اصول کی پاس داری کی اور قضاۃ کا تقرر اہلیت اور تقوے کی بنا پر کیا جاتا تاکہ وہ اپنے فرائض عبادت سمجھ کر ادا کریں۔

اس دور کے قاضیوں میں قاضی ضیاء الدین، منہاج سراج، قاضی جلال الدین کاشانی، قاضی سعد الدین، قاضی جلال الدین، قاضی حمید الدین ناگوری، قاضی نصیر الدین، قاضی کبیر الدین، قاضی قطب الدین کاشانی، قاضی عماد الدین شکور حانی، ابن بطوطہ اور قاضی مغیث زیادہ معروف ہیں۔ علاؤالدین نے ایک قاضی القضاۃ کا تقرر اعلیٰ کردار کی بجائے عام خدمات کے صلہ میں کیا تو اس کا تقرر عوام میں بہت غیر مقبول ثابت ہوا۔ اس طرح سلطان

---

46 - M. Bashir Ahmad, op.cit., 131,162.

۴۷- اشتیاق حسین قریشی، **سلطنت دہلی کا نظم حکومت**، ۱۷۱-۱۷۲۔

قطب الدین مبارک شاہ نے ایک نااہل قاضی اسحق ضیاء الدین کو قاضی القضاۃ مقرر کیا تو عوام میں شورش برپا ہو گئی۔ بالآخر قاضی اور سلطان دونوں قتل کر دیے گئے۔ اس طرح قاضی شمس الدین کو بغاوت کے الزام میں موت کی سزا دی گئی۔ غیاث الدین بلبن نے محکمۂ قضا کو مزید بہتر بنانے کے لیے ایک خفیہ محکمہ قائم کیا ہوا تھا تاکہ اپنے جاسوسوں کے ذریعہ محکمۂ عدلیہ کی خوبیوں اور خامیوں کو معلوم کرے، اگر جاسوس سلطان کو کسی معاملے کی خبر دینے میں تساہل کرتے تو انہیں سزا دی جاتی۔[۴۸]

قاضیوں کی تنخواہیں

محکمۂ قضا کی اہمیت ہر دور میں مسلمہ رہی اس اہمیت کے پیش نظر اس منصب کو انجام دینے والے افراد کی تنخواہیں بھی معقول رہیں۔ سلاطین دہلی نے بھی اپنے دور میں قاضیوں کی مناسب تنخواہیں مقرر کیں۔ محمد تغلق کے دور میں قاضی القضاۃ کی تنخواہ ساٹھ ہزار ٹنکے سالانہ تھی۔[۴۹]

مصادرِ قضا

سلطنتِ دہلی کے وقت ہندوستان میں مسلم اکثریت حنفی المذہب تھی۔ سلاطین دہلی اور جو ترک ہندوستان آئے وہ بھی حنفی سنی تھے۔ بغداد کی طرح دہلی کا سرکاری مذہب بھی حنفی تھا۔

اس عہد کے قاضی حاکموں کے دائرہ اختیار سے مکمل طور پر آزاد ہوتے۔ قاضی مقدمات کے فیصلے قرآن مجید، سنت رسول ﷺ، صحابہ کرامؓ کی متفقہ آرا، اجماعِ امت، استحسان، استصحاب، استصلاح، عرف و نظائر، عادت، قیاس استقرائی اور اصول معدلت کے مطابق فیصلہ کرتے۔ بعض صورتوں میں قاضی وقت کے سلطان سے بھی راہ نمائی حاصل کرتا، اس صورت میں سلاطین اپنے فرامین کے ذریعے بھی کسی قانون کی بہ وقت ضرورت توضیح کرتا یا قاضی کو اس سے متعلق ہدایات دیتا۔

مقدمات میں سمجھوتے کی بھی اجازت ہوتی بہ شرطے کہ سمجھوتہ خلاف شرع نہ ہوتا۔ شہادت کے ضمن میں تمام مسلمان قابل اعتماد سمجھے جاتے سوائے ان لوگوں کے جنھیں بڑے بڑے جرائم میں یا دروغ حلفی کی سزا مل چکی ہو یا جن پر اس مقدمے کے حوالے سے جانب داری کا شبہ کیا جاتا ہو۔ غیر مسلموں کے مابین تنازعات کا فیصلہ

۴۸- ضیاء الدین برنی، **تاریخ فیروز شاہی**، ص ۳۵۲، ۴۰۸، ۴۰۵؛ سیّد ریاست علی ندوی، **عہد اسلامی کا ہندوستان** (لاہور: تخلیقات، ۲۰۰۱ء)، ۱۷۲-۲۰۲۔

۴۹- قلقشندی، صبح الأعشی، ۵:۹۰؛ اشتیاق حسین قریشی، **سلطنت دہلی کا نظم حکومت**، ۱۷۱۔

رواجی قانون کے مطابق کیا جاتا، ان کا فیصلہ عموماً مقامی عدالتیں یا دیہاتی پنچائتیں کرتیں، ان کے مقدمات بہت کم عدالتوں تک پہنچتے، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان مقدمات کا فیصلہ اصولِ معدلت کے مطابق کیا جاتا۔(۵۰)

سلطان کا عدالتی اختیار

اگرچہ سلاطینِ دہلی نے شاہی عدالت کا قیام عمل میں لایا تھا جس کی صدارت خود بادشاہ کرتا اور وہاں ابتدائی اور مرافعات کے مقدمات پیش ہوتے، لیکن اس کے باوجود بعض سلاطین قاضیوں کے فیصلوں میں بھی مداخلت کرتے۔ بہ قول بشیر احمد: ”سلاطین دہلی تقریباً ہر قسم کے مقدمے میں تخفیفِ سزا کا حق استعمال کرتے، یہاں تک کہ وہ اس اختیار کو سرقہ، قتل اور ڈکیتی وغیرہ کی سزاؤں میں بھی استعمال کرتے۔“(۵۱) بعض سلاطین اپنے سلطان ہونے کا غیر قانونی فائدہ بھی اٹھاتے، چناں چہ سلطان محمد تغلق نے ایک شخص کے خلاف قاضی کی عدالت میں توہین کا مقدمہ بھیجا اور جب اس کے خلاف فیصلہ ہوا تو مدعی علیہ کو کسی اور بہانے گرفتار کرلیا، اس اقدام کو مسلم رعایا نے ناپسند کیا۔(۵۲)

سلطان اپنے اس اختیار کو بعض اوقات غلط بھی استعمال کرتے۔ مجرم کے علاوہ اس کے خاندان کے دیگر افراد کو، جو اس جرم میں شریک نہ ہوتے سزا دیتے، جیسے شیخ زادہ جامی نے کسی بنا پر سلطان محمد شاہ تغلق کو ظالم کہا۔ بادشاہ قاضی شہر کمال الدین صدر جہاں کی عدالت میں پیش ہوا اور یہ استغاثہ دائر کیا کہ شیخ زادہ جامی نے اُسے بے جا طور پر ظالم کہا۔ عدالت اُسے پیش کرے اور مجھ پر ظلم ثابت کرے۔ اس کے بعد ازروے شریعت مجرم کو سزا دی جائے۔ شیخ زادہ عدالت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ جب تو کسی کو حق یا ناحق قتل کرتا ہے تو اس کی ذمے داری آپ پر آتی ہے، لیکن جب تو مجرم کے بیوی بچوں کو پکڑ کر جلاد کے حوالے کردیتا ہے تو کیا یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ سن کر سلطان خاموش ہوگیا اور سوال کا جواب نہ دیا اس کے بعد عدالت برخاست ہوگئی۔ اور سلطان نے شیخ زادہ کو قفس آہنی میں ڈال دیا اور بالآخر اُسے قتل کروادیا۔(۵۳)

۵۰- اشتیاق حسین قریشی، مصدرِ سابق، ۱۷۱-۱۷۳۔

M.Bashir Ahmad, *Administration of Justice in Medieval India*, 7.

۵۱ - Ibid. 79.

۵۲- ملوک شاہ بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۱: ۲۳۹۔

۵۳- یحییٰ بن احمد سرہندی، **تاریخ مبارک شاہی**، ۲۰۲۔

سلاطین خونی مجرموں کی ہرگز رعایت نہ کرتے اور فوراً ان سے قصاص لیتے۔ اس ضمن میں مجرم کے امیر اور اعلیٰ افسر ہونے کی بھی رعایت نہ کرتے، چناں چہ یوسف بقرا سلطان محمد تغلق کے دور میں صاحبِ جاہ تھا اور امراے شاہی میں بے حد ممتاز تھا۔ اس کے دو بیٹے الگ الگ ماؤں سے تھے، بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کو موقع پا کر قتل کر دیا جس پر مقتول کی والدہ نے فریاد کی فیروز شاہ نے بے حد غور و فکر کے بعد حکم دیا کہ بڑے لڑکے کو دربار کے روبرو قتل کیا جائے۔ باوجود دے کہ یوسف بقرا کے اس بیٹے پر بادشاہ بہت مہربان تھا، لیکن پھر بھی اس سے قصاص لیا گیا اور اُسے معاف نہ کیا اور اُسے بادشاہ کے سامنے قتل کر دیا گیا۔(۵۴)

حرفِ آخر

اس تحقیق سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

۱- عہد سلاطین دہلی میں نظامِ قضا کو منظم طریقے سے وضع کیا گیا اور قیامِ عدل کو ایک دینی فریضے کے طور پر تسلیم کیا گیا۔

۲- سلاطین نظامِ قضا میں نہ صرف خود کو باقاعدہ طور پر شامل کرتے بلکہ اس نظام کی باقاعدہ کڑی نگرانی بھی کرتے۔

۳- سلاطین دہلی کا نظام قضا عدالتی و نیم عدالتی اداروں (حسبہ، مظالم، اور دیہی پنچایت) پر مشتمل تھا۔

۴- نظام عدل قائم کرنے کے لیے اعلیٰ اہلیت کے حامل قاضیوں کا تقرر عمل میں لایا جاتا اور انھیں یہ احساس دلایا جاتا کہ قیام عدل ان کی دینی ذمے داری ہے۔

۵- نظام عدل کو درست رکھنے کے لیے جاسوسی کا محکمہ قائم کیا جن کی رپورٹس کے مطابق قاضیوں کا تقرر، تبادلہ، ترقی، تنزل اور معطلی کی جاتی۔

۶- نظام قضا کو مؤثر بنانے کے لئے امراے سلطنت اور اعلیٰ سرکاری عہدے داروں کے خلاف مقدمات کی سماعت سلاطین خود کرتے۔

۷- مجرموں کو سزا فوراً دی جاتی اور اس ضمن میں کسی قسم کی تاخیر روا نہ رکھی جاتی۔

۵۴- سراج عفیف، **تاریخ فیروز شاہی**، ترجمہ فدا علی طالب (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۵ء)، ۳۲۶۔ اس طرح کے متعدد واقعات کا ذکر ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں کیا ہے۔(ابن بطوطہ، **سفر نامہ ابن بطوطہ**، ۲: ۱۰۷-۱۲۰)۔

۸- عدلیہ آزاد تھی، بادشاہ اپنے مقدمات قاضیوں کے سامنے پیش کرتا اور عام شہری سلطان کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کر سکتا۔

۹- نظام عدل دیہات کی سطح سے لے کر دارالحکومت تک قائم تھا اور ہر مقام پر اس کی نسبت سے عدالتیں قائم تھیں۔

۱۰- بہترین نظامِ عدل کے قیام کے باوجود بعض سلاطین اپنے ناجائز اختیارات استعمال کرتے اور لوگوں کو ناحق سزائیں بھی دیتے۔

۱۱- قضاۃ کی احساس ذمہ داری اور ان کا معاشرتی تحفظ، بہتر نظام عدل اور عدلیہ پر سلاطین و دیگر انتظامیہ کے عدم دباؤ کے باعث عوام کو جلد انصاف ملنا، سلاطین دہلی کے نظامِ قضا کی بہت بڑی خصوصیت تھی۔

❀❀❀❀❀❀